حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، دامت برکاتہم
نائب رئیس ———— جامعہ دارالعلوم کراچی

یادیں

(گیارہویں قسط)

شعروادب سے مناسبت کا آغاز

حضرت مولانا سحبان محمود صاحب، قدس سرہ، نے ان اسباق کی تعلیم کے ساتھ شعروادب کا ذوق بھی اُسی زمانے سے میری گھٹی میں ڈال دیا تھا۔ حضرتؒ بذات خود بہترین شعر کہتے تھے، اور درس کے دوران اپنے پسندیدہ اشعار نہ صرف سناتے، بلکہ ان کی ادبی لطافتوں پر اس طرح بات کرتے کہ شعر کا صحیح مطلب سمجھ میں آتا، اور اُس کا لطف محسوس ہوتا تھا۔ پھر ایک موقع پر انہوں نے یہ سلسلہ بھی شروع کیا کہ ایک مصرع طرح دیدیتے، اور ہم سے کہتے کہ اس پر شعر کہو۔ چنانچہ ہم اپنی بساط کے مطابق تک بندی کرکے حضرتؒ کو دکھاتے، اور وہ اُس کی اصلاح فرماتے۔

دوسری طرف میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ہمارے گھر کا ماحول بھی شعروادب کا ماحول تھا۔ حضرت والد صاحب، قدس سرہ، صرف اردو ہی میں نہیں، عربی اور فارسی میں بھی شعر کہتے تھے، ہمارے سب سے بڑے بھائی حضرت زکی کیفی صاحب، رحمۃ اللہ علیہ، تو باقاعدہ شاعر تھے، اور اُن کی وجہ سے گھر میں بڑے بڑے شعراء کی آمدورفت بھی رہتی تھی۔ ہماری بہنوں کو بھی شعروشاعری کا خاص ذوق تھا، اور جناب محمد ولی رازی صاحب بھی شعر کہتے تھے۔ اس لئے گھر میں ہماری دلچسپی اور تفریح کا سامان یہ تھا کہ جب سارے بہن بھائی جمع ہوتے تو کبھی بیت بازی شروع ہوجاتی، کبھی کسی نے کوئی اچھی نظم یا غزل کہیں دیکھی یا سُنی ہوتی تو وہ دوسروں کو سُناتا، اور سب اُس سے لطف اندوز ہوتے۔ کبھی کوئی ادبی مضمون سب مل کر پڑھتے، اور کبھی چھوٹی آپا ہم سب کو حفیظ جالندھری کا شاہنامہ اسلام سُنایا کرتیں جسے ہم بڑے ذوق وشوق سے سنتے تھے۔

اس سارے پس منظر میں بچپن ہی سے مجھے شعروادب کا شوق ہوگیا تھا، اور میری عمر ابھی نو سال ہی کی

تھی کہ مجھے بہت سی نظمیں اور غزلیں زبانی یاد ہوگئی تھیں۔ اُس زمانے میں بچوں کا ایک رسالہ "ساتھی" کے نام سے نکلا کرتا تھا۔ میرے بڑے بھائی جناب محمد رضی صاحب، رحمۃ اللہ علیہ، نے وہ رسالہ میرے نام جاری کروادیا تھا، اور اُسے پاکر میں خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ ہر مہینے مجھے اُس کا انتظار رہتا، اور مہینے کے شروع میں ڈاکیہ کا انتظار اُسی کی وجہ سے رہا کرتا تھا۔ اور جب وہ آجاتا، تو جب تک میں اُسے اول سے آخر تک پڑھ نہ لیتا، چین نہیں آتا تھا۔ اُسی سے میرے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ میں بھی کچھ لکھوں۔ میری وہ بہن جنہیں ہم چھوٹی آپا کہتے تھے، اس کام میں میری خاص ہمت افزائی کرتیں۔ اُس زمانے کے رسالوں میں قلمی دوستی کا ایک سلسلہ ہوا کرتا تھا۔ بچے اپنے نام اور پتے رسالوں میں شائع کراتے، اور دوسرے بچوں کو دعوت دیتے کہ اُن سے خط و کتابت کے ذریعے دوستی کریں۔ جب اُس رسالے میں قلمی دوستی کا سلسلہ شروع ہوا، تو میری بہن نے مجھے مشورہ دیا کہ میں ان میں سے کسی کو خط لکھنا شروع کروں۔ اس سے مجھے لکھنے کی مشق ہوگی۔ چنانچہ میں نے اُن ناموں پر نظر ڈالی جو قلمی دوستی چاہتے تھے۔ ان ناموں میں مجھے جو نام سب سے زیادہ پسند آیا، وہ "مجاہد" تھا۔ پتہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ افریقہ کے شہر نیروبی میں رہتے ہیں جو اُس وقت ٹانگانیکا کا دارالحکومت تھا۔ (بعد میں ٹانگانیکا کا نام کینیا ہوگیا)۔ میں نے صرف "مجاہد" کے لفظ سے محبت کی بنا پر قلمی دوستی کے لئے انہی کو منتخب کیا، اور ایک اُلٹا سیدھا خط لکھ کر چھوٹی آپا کو دکھایا۔ انہوں نے اُس میں اصلاح کرکے اُسے ایک قاعدے کا خط بنادیا، اور میں نے وہ ڈاک کے سپرد کردیا، اور اُس کا جواب بھی آگیا۔ کچھ دنوں تک یہ قلمی دوستی جاری رہی۔ اپنے اس اَن دیکھے دوست کو ابتدائی طور پر میں خط لکھتا، اور چھوٹی آپا اُس پر نظر ثانی کرکے اُس میں ادبی چاشنی پیدا کردیتیں، اور اس طرح رفتہ رفتہ مجھے بھی لکھنے کا کچھ سلیقہ آنے لگا۔

اُسی زمانے میں روزنامہ "جنگ" میں مراسلات کے کالموں میں لوگ کسی نہ کسی موضوع پر کوئی نہ کوئی بحث چھیڑ دیا کرتے تھے، اور اُس موضوع پر دونوں طرف سے مراسلے شائع ہوتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ فضول سی بحث چھڑ گئی کہ عورت شاعر ہوسکتی ہے یا نہیں؟ چھوٹی آپا نے مجھ سے کہا کہ تم بھی ایک مراسلہ لکھدو۔ میں نے حکم کی تعمیل میں ایک مراسلہ لکھا اور وہ "جنگ" میں "صنف نازک اور شاعری" کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہ میری پہلی تحریر تھی جو کہیں شائع ہوئی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ یہ بحث چھڑی کہ پاکستان کے کرنسی نوٹوں پر قائداعظم کی تصویر ہونی چاہئے یا نہیں؟ میں نے "نوٹوں پر تصویر" کے عنوان سے مراسلہ لکھا

جس میں یہ موقف اختیار کیا کہ تصویر جائز نہیں ہے، اور اس سے شخصیت پرستی کی بنیاد پڑتی ہے، اس لئے ہمارے نوٹوں پر کوئی تصویر نہیں ہونی چاہئے۔ نیز ایک مرتبہ یہ بحث چھڑی کہ ملک میں مخلوط تعلیم ہونی چاہئے یا نہیں۔ اس موقع پر بھی میں نے مخلوط تعلیم کے خلاف دلائل پر مشتمل ایک مراسلہ لکھا۔ یہ تمام مراسلے "جنگ" میں شائع ہوتے رہے، اور ان سب میں میری چھوٹی آپا کی نہ صرف پشت پناہی، بلکہ اصلاح وترمیم بھی شامل ہوتی تھی۔ اور اس طرح اگر میں یہ کہوں تو شاید غلط نہیں ہوگا کہ میری قلمی کاوشوں کی بنیاد اُنہی کی تعلیم وتربیت اور ہمت افزائی کا نتیجہ تھی۔ میری عمر اُس وقت دس سال تھی۔ جب ان کی شادی ۲۷ رفروری ۱۹۵۳ء لاہور میں مقیم جناب شفقت علی صاحب مرحوم سے ہوئی۔ اتفاق سے جس دن ان کا نکاح تھا، اُس دن ملک بھر میں تحریک ختم نبوت اپنے شباب پر پہنچی ہوئی تھی، اور آرام باغ میں اُس روز ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہو رہا تھا جس سے حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، رحمۃ اللہ علیہ، خطاب کررہے تھے، اور ملک کے اکابر علماء کی گرفتاریاں جاری تھیں۔ حضرت والد ماجد، رحمۃ اللہ علیہ، کی گرفتاری کی بھی خبر گرم تھی، اور یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے نکاح میں شریک ہوسکیں گے یا نہیں، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا، اور نکاح بخیر وخوبی انجام پا گیا۔

اور مجھے یاد ہے کہ جب چھوٹی آپا گھر سے رخصت ہوئیں، تو میں ہفتوں اُنہیں یاد کر کے روتا رہا۔ وہ سال میں ایک مرتبہ کراچی آیا کرتیں تو وہ دن میرے لئے عید کے دن ہوتے تھے۔ چنانچہ میں نے کافی عرصے کے بعد ان کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار ایک نظم میں کیا جس میں کہا تھا:

چھوٹی آپا! مری اس نظم کا عنواں تم ہو
تم ہو اس بزم کی تزیین کا ساماں تم ہو
حضرتِ والدِ ماجد کی نگاہوں کا سرور
والدہ کے رُخِ پُر نور کی افشاں تم ہو
تم سے بہنوں کے دلوں میں ہے طرب نغمہ سرا
بھائیوں کے لئے ہر درد کا درماں تم ہو
مہر و الفت کے جہاں پھول مہکتے ہیں سدا
ہاں وہ گلشن، وہ گلستاں، وہ خیاباں تم ہو

جس جگہ شور ہے انسانوں کی افزونی کا

اُس جہاں میں بھی جو ملتا نہیں انساں، تم ہو

بے رخی اور لگاوٹ کے ان اندھیاروں میں

روشنی جس سے ہے ،وہ شمعِ فروزاں، تم ہو

تم سے ہے میری نظر میں رُخِ ہستی پہ نکھار

جس سے ہے بزمِ محبت میں چراغاں، تم ہو

تم سے چونک اُٹھتی ہیں ارمانوں کی نورس کلیاں

عید کا چاند ہو تم، صبحِ بہاراں تم ہو!

لوریوں میں بھی مجھے درس دیئے ہیں تم نے

ہاں مری بہن ،مری دوست، مری ماں تم ہو!

جب میں نے یہ نظم ان کی کراچی آمد کے موقع پر انہیں سنائی تو لاہور واپس جا کر اُنہوں نے اس کے جواب میں اسی بحر اور قافیے میں مجھے یوں جواب دیا:

چھوٹے بھائی !مری اس نظم کا عنواں تم ہو

آنکھ کا نور ہو، تسکینِ دل وجاں تم ہو

تم سے میکے کی فضاؤں میں ہے اک کیفِ نشاط

کیا چمن زار ہے وہ جس کی بہاراں تم ہو!

آنکھ کا نور ہو ، والد کے جگر کی راحت،

والدہ کے لئے تسکین کا ساماں تم ہو!

بھائی کے خونِ شجاعت میں حرارت تم سے

اور بہنوں کا مچلتا ہوا ارماں تم ہو

سب سے چھوٹے ہو، تمہیں پیار ہے سب کا حاصل
ہے دلوں پر بھی حکومت ، وہ سلیماں تم ہو
دیکھ کر تم کو مرے دور ہوں سب رنج ومحن
بھول جاؤں جسے پا کر غمِ دوراں تم ہو!
ہیں مرے گلشنِ ہستی میں بہاریں تم سے
کشتِ دل جس سے ہے سیراب وہ باراں تم ہو
تم سے کھلتے ہیں یہ ارمانوں کے نورس غنچے
جس میں یہ پھول مہکتے ہیں ، وہ داماں تم ہو
دل ہے یا علم کے انوار کا آئینہ ہے!
درس دیتا ہو جو پیہم ، وہ دبستاں تم ہو
جہل والحاد کے بڑھتے ہوئے اندھیاروں میں
روشنی جس سے ہے وہ شمعِ فروزاں تم ہو
الغرض حمد اُسی ذات کی زیبا ہے مجھے
جس کا انعام ہو تم ، رحمتِ یزداں تم ہو

میری عمر جب بارہ سال پوری ہوئی ، تو شوال ۱۳۷۴ھ سے دارالعلوم میں ہمارا نیا تعلیمی سال شروع ہو رہا تھا۔اس سال (یعنی ۱۳۷۴ھ و ۱۳۷۵ھ) میں بھی شرح جامی ، مقامات حریری ، کنزالدقائق ، اصول الشاشی ، شرح جامی ، قطبی ، شرح تہذیب اور البلاغۃ الواضحۃ ، تمام کتابیں حضرت مولانا سحبان محمود صاحب ، رحمۃ اللہ علیہ ، ہی کے پاس رہیں ، اور ہم ان کے ناقابل فراموش انداز تدریس سے مستفید ہوتے رہے۔ حضرت ، رحمۃ اللہ علیہ ، کے بارے میں میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان کو اس زمانے میں شعروادب سے بڑی دلچسپی تھی ، اور وہ خود اعلیٰ پائے کے شعر کہتے تھے۔شرح جامی جیسی کتاب میں بھی وہ اپنے اس ذوق سے رنگ بھرتے رہتے تھے ۔اس سال جب ہم نے " البلاغۃ الواضحۃ " ان سے پڑھی تو ان کے اس ذوق نے اُس کا لطف دوبالا

کردیا۔ خود "البلاغة الواضحة" بہترین ادبی شہ پاروں سے بھری ہوئی ہے۔ اُس پر حضرتؒ فصاحت وبلاغت کے مسائل کی مثالیں اردو شاعری کے حوالوں سے بھی دیتے، جس کی وجہ سے پورا درس گل وگلزار ہوجاتا تھا۔ مثلاً مجھے یاد ہے کہ "تعقید معنوی" کی مثال دیتے ہوئے انہوں نے مومن کا یہ شعر سنایا تھا:

خیال خواب راحت ہے علاج اس بدگمانی کا

وہ ظالم قبر میں مومن مرا شانہ ہلاتا ہے

حضرت نے فرمایا کہ دراصل اس شعر کے پہلے مصرعے میں "علاج اس بدگمانی کا؟" جملہ استفہامیہ ہے، اور جب تک اس پر علامت استفہام نہ لگائی جائے، یا سوالیہ لہجے میں اُس کو نہ پڑھا جائے، اُس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ غرض اس طرح ہم نے ان کے ادبی ذوق سے خوب خوب استفادہ کیا۔

شام کو ہم گھر آتے، تو مغرب تک برنس گارڈن یا پولو گراؤنڈ میں کچھ تفریح کرنے کے بعد اپنے اسباق کی تیاری اور مطالعہ میں مصروف رہتے۔ اور پھر ہمارے گھر میں بہن بھائیوں کا اجتماع ہوتا جس میں اکثر بیت بازی کا مقابلہ ہوا کرتا تھا، اور اس مقابلے کے شوق میں مجھے زیادہ سے زیادہ شعر یاد کرنے کا شوق ہوا۔ اسی زمانے میں حفیظ جالندھری کا شاہنامۂ اسلام گھر میں آیا تو ہم سب چھوٹی آپا کے اردگرد بیٹھ جاتے، اور وہ ہمیں ایک رواں دواں ترنم کے ساتھ شاہنامہ سنایا کرتیں جس کی آواز آج بھی کانوں میں گونجتی ہے۔ مجھے شاہنامے سے اتنا لگاؤ ہوگیا تھا کہ اُس کے صفحے کے صفحے زبانی یاد ہوگئے تھے، اور سچی بات یہ ہے کہ غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ احزاب کے تفصیلی واقعات میں نے کتابوں میں بعد میں پڑھے، لیکن سب سے پہلے شاہنامے ہی کے ذریعے معلوم ہوئے تھے۔

اس کے علاوہ کبھی کوئی اچھی دینی یا ادبی کتاب لے آتا، تو سب اجتماعی طور پر اُس کے مطالعے سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ کبھی مولانا مناظر احسن گیلانی، رحمۃ اللہ علیہ، کی "النبی الخاتم ﷺ" پڑھی جارہی ہے، کبھی مولانا ابوالکلام آزادؒ کی "غبار خاطر"، کبھی حضرت مولانا اصغر حسین صاحب، رحمۃ اللہ علیہ، کی "خواب شیریں" اور کبھی پطرس بخاری مرحوم کے مزاحیہ مضامین۔ غرض بہن بھائیوں کی یہ مجلس بڑی رنگا رنگ ہوتی تھی۔ اور اگر کبھی حضرت والد صاحب، رحمۃ اللہ علیہ، کو فرصت ملتی، تو پھر ہمیں کسی اور مشغلے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کے ساتھ جو وقت بھی ملتا، وہ بڑا شگفتہ اور پُر بہار ہوتا۔ حضرت والد صاحب، رحمۃ اللہ علیہ، ہم میں

گھل مل جاتے، اور کبھی ہمیں اپنے بزرگوں کے واقعات سناتے، کبھی تاریخ اسلام کے واقعات، کبھی اپنی روزمرہ کی ان مصروفیات سے باخبر فرماتے جو ہماری سمجھ کے دائرے میں آسکتی ہوں۔

اُس وقت ریڈیو پاکستان سے بھی بعض اوقات بڑے مفید پروگرام ہوا کرتے تھے۔صبح کا آغاز قاری زاہر قاسمی صاحب مرحوم کی تلاوت اوراس کے بعد حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی، رحمۃ اللہ علیہ، کے مسلسل درس قرآن سے ہوتا تھا، اور جمعہ کے دن اُس وقت کے ریڈیو پاکستان کے ڈائرکٹر ذوالفقار علی بخاری صاحب مرحوم کی درخواست پر حضرت والد صاحب، رحمۃ اللہ علیہ، کا " معارف القرآن " کا درس ہوتا تھا۔اُس کے بعد کے پروگراموں میں بھی اُس طرح کی بے ہودگی کم ہوتی تھی جیسی آجکل ریڈیو ٹی وی میں دکھائی دیتی ہے۔ پروگراموں میں ادبی عنصر اچھا خاصا ہوتا تھا، اور دلچسپ اور معلوماتی سلسلے جاری رہتے تھے۔ "چیستاں" کا کھیل جس میں معلومات عامہ کا مقابلہ ہوتا تھا، ہم نے ریڈیو ہی سے سیکھا تھا۔اسی ریڈیو پر ہر ہفتے طرحی مشاعرہ ہوا کرتا تھا، جس میں ملک کے نامور شعراء حصہ لیتے تھے۔حفیظ جالندھری، ادیب سہارن پوری، حمایت علی شاعر، شاعر لکھنوی، ماہر القادری، رئیس امروہوی، قمر جلالوی، ارم لکھنوی، تقریباً ہر ہفتے اس طرحی مشاعرے میں اپنا تازہ کلام سُناتے، اور ہم سب بہن بھائی اُسے بڑے شوق سے سنتے تھے۔کبھی ہندوستان سے بھی شعراء آئے ہوئے ہوتے تو انہیں بھی مدعو کیا جاتا۔چنانچہ جناب جگر مرادآبادی، شکیل بدایونی، اور جگن ناتھ آزاد کو بھی ہم نے پہلی بار اسی مشاعرے میں سنا تھا۔

اب خیال آتا ہے کہ اُس وقت ہمارے تفریحی مشغلے بھی علمی اور ادبی نوعیت کے ہوتے تھے جن سے معلومات بھی بڑھتی تھیں، اور علمی اور ادبی ذوق بھی پروان چڑھتا تھا۔انہی مجلسوں کی بدولت مجھے کتابوں کا شوق پیدا ہوا۔

☆☆☆